

افکار

اردو شاعر نے شیخ مدرسہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

انقلاب زمانہ سے اب شیخ الشیوخ مدرسہ اسلامیہ عربیہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رسالہ ”بینات“ بابت اکتوبر ۱۹۶۲ء میں یوں رقمطراز ہیں :-

” اگر مدیر ماہنامہ ”فکر و نظر“ کو پگڑی اچھاوانا ہی پسند ہے تو ہم بادل ناخوستہ، رسالہ سوال نمبر ۱۷ کا جواب آنے کے بعد - کہ، وہ اسی سے متعلق ہے - زیر بحث مقالہ کی ماخوذ تحریریں اور ان کے ماخذ کالم بہ کالم شائع کرنے کے لئے تیار ہیں -“ (ص ۳۰۲)

ہم عمامہ و دستار سے محرومی کے باعث حضرت مولانا کی دعوت قبول کرنے سے معذور ہیں - امید ہے کہ وہ ہمیں اس سے معاف رکھیں گے - البتہ ان کے اصرار پر ہم ان کا گرامی نامہ اور وہ سوالنامہ شائع کر رہے ہیں جس کا ذکر انہوں نے پریشانی افکار کے ذیل میں تحریر محولہ بالا میں کیا ہے - سوالنامہ کی طوالت کے پیش نظر ہم اسے دو قسطوں میں شائع کر رہے ہیں - اگلی قسط اور جواب نامہ کے لئے قارئین کرام سے زحمت انتظار کی درخواست کرتے ہیں -

— سقاہ

السلام علیکم و رحمہ اللہ

ماضی قریب میں آپ سے دو ملاقاتوں میں تبادلہ خیالات ہوا اور زبالی گفتگو میں اچھے خاصے صاف ستھرے خیالات کا اظہار، اس لئے منسلکہ سوالات جناب کی خدمت میں پیش کرانے کی جرات ہوئی -

محترم ڈاکٹر صاحب ! ” الحب فی الله و البغض فی الله “ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ۔ اسی کے تحت جب شفاہی گفتگو کا خیال آتا ہے تو آپ کے کریمانہ اخلاق اور مصالحانہ خیالات کو دیکھ کر آپ سے انسیت پیدا ہوتی ہے مگر آپ کے قلم سے نکلا ہوا شائع شدہ مقالہ جب دیکھتے ہیں، تو شدید غم و غصہ دل و دماغ کو مائوف کر دیتا ہے ۔ سوالات میں کہیں کہیں لب و لہجہ کی کرخستگی اور تیزی و تندگی اسی کا عکس ہے ۔ زیادہ سخت فقرے سرخ روشنائی سے قلمزد کر دیئے ہیں تاکہ ان کی اشاعت نہ ہو، مگر جناب والا ضرور دیکھ لیں تاکہ مجروح قلوب کی اذیت کا آپ کو احساس ہو ۔

ڈاکٹر صاحب، صحیح مسلم کی روایت ہے ۔ ” من رائی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان “ آپ کے اس مقالہ نے دین کے ایک اہم ترین ستون حدیث رسول اللہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے ۔ اور آپ نے صحیحین تک کی روایتوں کو محض خیالی مقروضات کی بنیاد پر بے محابا مسترد کر دیا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ایک عظیم فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے ۔ زبان و قلم ہی اپنے بس میں ہیں اس لئے ان سوالات میں خود آپ ہی کی تحریروں اور اعترافات سے اس مقالہ کی مضرتوں کی نشان دہی کی گئی ہے تاکہ آپ جوابات میں ان کی تلافی فرمادیں (جیسا کہ اس سے قبل تلخیص کے ذریعہ یہی کوشش کی گئی اور اس کا مفید نتیجہ برآمد ہوا) اور یہ سوالات و جوابات دونوں شائع ہوجائیں خواہ ” فکر و نظر “ میں خواہ ” بینات “ میں ۔

اس لئے ازراہ کرم سوالات کا نمبر وار جواب ضرور دیجئے اور اس کے بعد خواہ فاطمی صاحب کو اشاعت کے لئے دیجئے ۔ خواہ بذریعہ رجسٹری میرے پاس بھیج دیجئے ۔

خدا کرے یہ سوالات و جوابات اسی طرح غلطیوں یا غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ بن جائیں جیسے ملاقات نے کافی حد تک ایک دوسرے کو قویب کر دیا ہے ۔ و ما ارید الا الاصلاح و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔

والسلام

خادم محمد ادیس غفرلہ

جناب والا! آپ کے ایک طویل و عریض انگریزی مقالہ کا ترجمہ بعنوان ”تصور سنت“ ماہنامہ فکر و نظر کی پانچ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ اس کو بنیاد استفادہ بار بار پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کے دوران ایک طالب مستر شدہ کو مندرجہ ذیل اشکالات پیش آتے ہیں اور وہ جناب والا سے اپنے اشکالات حل کرنے کے لئے سوال کرتا ہے۔ امید ہے کہ جناب والا از راہ شفقت نہایت واضح الفاظ میں مختصر مگر ”جامع و مانع“ اور ”تسلی بخش“ جوابات تحریر فرمائیں گے۔

سوال نمبر (۱) فکر و نظر قسط اول ص ۱۶ پر آپ فرماتے ہیں -

”اس میں تو شک نہیں کہ سنت نبوی کا اپنا ایک وجود تھا“ -

”امت مسلمہ کی سنت رسول اللہ کی سنت پر مبنی تھی“ - قسط دوم ص ۱۳

”خلیفہ ثانی حضرت عمر نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ انہوں نے بہت سی جگہوں پر لوگوں کو قرآن و سنت نبوی کی تعلیم کے لئے مامور کیا تھا“
قسط اول ص ۱۵ -

از راہ کرم اس ”سنت نبوی“ اور ”سنت رسول“ کی ایسی جامع و مانع تعریف فرمادیں جیسے جو سنت رسول کے جملہ مصادیق پر حاوی ہو اور ماموری سنت رسول اور کسی کی سنت پر صادق نہ آئے۔ واضح ہو کہ ہم لفظ سنت کی لغوی تحقیق نہیں چاہتے ہمیں تو اسلامی تعلیمات میں اور آپ کے مذکورہ بالا اقتباسات میں جو لفظ ”سنت نبوی“ اور ”سنت رسول“ آیا ہے اسکی مختصر اور واضح الفاظ میں جامع و مانع تعریف مطلوب ہے۔

سوال نمبر (۲) فکر و نظر قسط اول ص ۱۶ پر آپ فرماتے ہیں -

(۱) ”سنت رسول کا نظریہ ایک کار فرما اور عملی تصور تھا جو آغاز اسلام

سے ہی موجود تھا اور ہر دور میں علیٰ حالہ قائم رہا“ -

(۲) ”مجموعہ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ

تھا اور نہ ہی وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکل صریح اور واضح کہا جاسکے“ -

الف: ایک کار فرما اور عملی تصور جو ہر دور میں علیٰ حالہ قائم رہا ہو،

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ صریح اور واضح نہ ہو؟ اقتباس سابق میں آپ

فرما چکے ہیں کہ ”امت مسلمہ کی سنت، رسول اللہ کی سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ تھی“ (قسط دوم نمبر ۱۴) جو مجموعہ سنن خود صریح اور واضح نہ ہو، وہ مبنی اور ماخذ کیسے بن سکتا ہے؟

اڑ راہ کرم اس تضاد کو دور فرمائیے -

ب: یہ مجموعہ سنن مقدار میں کچھ ”زیادہ نہ تھا“ اس کا تاریخی یا عقلی ثبوت دیجئیے مگر وہ ثبوت ”مفروضات“ اور ”احتمالات“ پر مبنی نہ ہو -

ج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۲ سال سے کچھ زائد مکی زندگی اور دس سال کی مدنی زندگی تمام تر عقائد و احکام الہیہ اور قرآن حکیم کی تعلیم و تہئیں میں گذری ہے - قرآن اس کا شاہد ہے - ایسی صورت میں ”مجموعہ“ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ ہو، ہرگز باور نہیں کیا جاسکتا -

فکر و نظر قسط پنجم میں آپ خود تصریح فرماتے ہیں:

”تمام تر ذخیرہ احادیث میں سے صرف اصولی یعنی عقائد و احکام کی احادیث تاریخی صحت کے اعتبار سے مشکوک ہیں“، اگر آپ تمام ذخیرہ احادیث کا تجزیہ فرمائیں تو اصولی احادیث ہمیشگی تمام احادیث کا دسواں حصہ ہوں گی۔ کسی بھی کتاب حدیث کی صرف فہرست ابواب دیکھ لیجئے، تجربہ ہو جائے گا - لہذا باقی تمام احادیث کا ذخیرہ جو اس وقت موجود ہے، اور آپ اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں - اس کو دیکھتے ہوئے آپ کے اس بیان کو کہ مجموعہ سنت جو آپ نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ تھا کیسے باور کیا جائے -

سوال نمبر (۳) قسط اول ص ۱۷ اور ۱۸ پر آپ فرماتے ہیں:

قیاس یہ کہتا ہے کہ ”آنحضرت جو وفات کے وقت تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاح کی شدید جدوجہد میں مصروف اور اپنی ”قومی ریاست“ کی تنظیم میں مشغول رہے، ان کو اتنا وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کے جزئیات کے لئے قوانین مرتب فرماتے۔“

الف: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ مساعی اور جدوجہد کا مقصد اپنی قومی ریاست کی تنظیم تھا، جس میں آپ ص وقت وفات تک اس طرح مشغول و مصروف رہے کہ نوع انسانی کے لئے قوانین الہیہ مرتب کرنے کی فرصت ہی نہیں مل سکی -

ب: ہر نبی کو فوق العادہ علمی اور عملی، روحانی و انسانی قوتیں اور غیر معمولی معجزانہ فکری و ذہنی توانائیاں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا فرمائی جاتی ہیں۔ جن سے وہ اپنے فوق العادہ فرض منصبی اور تبلیغ و تنفیذ احکام الہی کا فرض انجام دیتا ہے۔ خصوصاً وہ نوع انسانی کا محسن اعظم نبی جس کو قصر نبوت کی خشت آخریں کے عنوان اور رحمہ للعالمین کے لقب سے سرفراز اور علم الاولین و الاخرین کے زیور سے آراستہ فرما کر دین الہی کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی پیغمبرانہ مساعی اور معجزانہ جدوجہد کی کامیابی کا اعلان بھی ”الیوم اکملت لکم دینکم“ الایۃ میں فرمادیا گیا ہے، اس کے متعلق مذکورہ بالا قیاس قائم کرنے کی کوئی مسلمان جرات کر سکتا ہے؟ یقیناً یہ کسی مستشرق کے قلم سے نکلا ہوا فقرہ ہے، جو بلا ارادہ اور بے اختیار آپ کے قلم سے ٹپک پڑا ہے۔ ورنہ یہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت و تشریح احکام الہیہ کی اہمیت سے انکار ہے۔ اس کا جواب دیجئے۔

اسی طرح اسی صفحہ پر آپ فرماتے ہیں :

”رسول کی سنت کی مثال نظری سطح پر ایک عمومی محیط تصور کی سی ہے، جو لازماً کسی مخصوص عنصر تک محدود نہیں ہوتی اور نہ کی جاسکتی ہے۔ نظریاتی سطح پر اس دعوے کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ ”سنت ایک تعاملی اصطلاح ہے۔“

کیا یہ ”حقیقت“ سنت رسول کے حقیقی اور معین و مشخص وجود سے انکار نہیں ہے؟ یہی پانچویں مستشرق ڈاکٹر جوزف شاخت کا نظریہ ہے۔ وہ کہتا ہے۔

”سنت رسول نسبتاً بعد کی پیداوار ہے۔ ورنہ ابتدائی عہد میں مسلمانوں کے نزدیک سنت سے مراد خود مسلمانوں کا عمل ہوا کرتا تھا“ حالانکہ آپ خود اس کی تردید ذیل کے الفاظ میں فرما چکے ہیں۔

”لیکن جہاں تک سنت رسول کے تصور کا سوال ہے، یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ یعنی سنت رسول کا نظریہ ایک کار فرما اور عملی تصور تھا جو آغاز اسلام ہی سے موجود تھا اور ہر دور میں علیٰ حالہ قائم رہا۔“

از راہ کرم اس تضاد کو بھی دور کیجئے -
اسی طرح ص ۲۵ پر آپ فرماتے ہیں :

” ہم نے اب تک یہ ثابت کر دیا کہ (۱) صدر اسلام کے مسلمانوں کے نزدیک نظریاتی طور پر بلکہ کم و بیش عام طور سے ” سنت “ کا اطلاق ” سنت نبوی “ پر ہوتا تھا اور (۲) یہ نظریہ کہ مسلمانوں کا عمل سنت نبوی کے تصور سے کوئی الگ چیز تھا، قابل قبول نہیں۔“

یہ دلوں فقرے ایک دوسرے کی ضد ہیں ورنہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ سنت نبوی اور مسلمانوں کا عمل ایک چیز ہے، حالانکہ آپ نے نہایت بسط و تفصیل اور دلائل کے ساتھ لفظ سنت کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں -
(۱) سنت رسول اور سنت نبوی (۲) امت مسلمہ کی سنت اسی کا نام آپ نے ” سنت جاریہ “ اور ” زندہ سنت “ رکھا ہے اور جابجا تصریح فرمادی ہے کہ :

” صحابہ و تابعین اور قرن اول کے مسلمانوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں جن احکامات کا استنباط کیا ہے، ان سب کا مجموعہ سنت کا مفہوم ثانی ہے “
اس تضاد کو دور فرمائیں ورنہ لفظ سنت کے دو مفہوم و مصادیق کے نظریہ سے دستبردار ہو جائیں -

سوال نمبر (۴) سنت رسول کے مصادیق و مشمولات پر آپ کے مذکورہ ذیل انتہاس سے کچھ روشنی پڑتی ہے - قسط اول ص ۱۵، یہ سمجھ لینا قطعاً خلاف عقل ہے کہ قرآن مجید رسول مقبول کے افعال و اعمال کو بیان کئے بغیر پڑھایا جاتا ہوگا - جبکہ آپ کے اعمال و افعال ہی ان تمام تحریکات کا پس منظر تھے - جن میں پالیسی، احکام اور فیصلے وغیرہ سب چیزیں شامل تھیں، قرآن کریم کی تعلیمات کے ساتھ کوئی چیز اتنی مربوط نہیں ہے، جتنی رسول مقبول کی زندگی اور وہ ماحول وابستگی رکھتا ہے جس میں آپ ص زندگی بسر فرماتے تھے - اس بیسویں صدی میں یہ فرض کر لینا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے فوراً بعد جو لوگ آپ ص کے ارد گرد تھے، وہ قرآن مجید اور آپ ص کی توضیحات میں اس قطعیت کے ساتھ فریق کرتے تھے کہ الہوں نے ایک یعنی قرآن کو تو

قائم رکھا اور دوسرے (یعنی سنت رسول) کو بالکل ترک کر دیا۔ یعنی انہوں نے ایک کو دوسرے سے جدا سمجھا، محض ”طفلانہ تخیل“ ہوگا۔

اس اقتباس میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف افعال و اعمال اور توضیحات (اقوال) کو بلکہ پوری زندگی کو اس سنت رسول سے تعبیر فرماتے ہیں، جس کی تعلیم کے لئے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق نے مختلف ممالک خصوصاً عراق میں صحابہ کو مامور کیا تھا، صرف اس لئے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو سنت رسول سے الگ کرنا اور پڑھنا پڑھانا سمجھنا سمجھانا ناممکن ہے۔ نیز اس لئے کہ ”آپ کے اعمال و افعال ہی ان تمام اسلامی تحریکات کا پس منظر تھے جن میں پالیسی، احکام اور فیصلے وغیرہ سب چیزیں شامل تھیں۔“

ان اعترافات کے باوجود آپ کا یہ فرمانا کہ ”مجموعہ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا، وہ مقدار میں کچھ بہت زیادہ نہ تھا اور نہ ہی وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکل صریح اور واضح کہا جاسکے۔ فرمائیے یہ پیرانہ تخیل ہے یا طفلانہ؟ از راہ کرم اس تضاد کو بھی دور کیجئے۔“

سوال نمبر (۵) اسی صفحہ پر مشمولات سنت نبوی کے ذیل میں آپ لکھتے

ہیں :

آپ نے اسلام کی ترقی کے لئے بہت کم ہی قانون سازی کی طرف توجہ فرمائی ہے خود قرآن مجید میں یہی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے۔“

قرآن و سنت کے متعلق آپ کے مذکور بالا الفاظ میں ہمیں سمجھتا کسی مومن کا ایمان ان کے سننے کا متحمل ہو سکتا ہوگا۔

حالانکہ آپ خود قسط دوم کے ص ۱۴ پر فرماتے ہیں: ”امت مسلمہ کی سنت، رسول اللہ کی سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ تھی“ نیز سنت کے مفہوم ثانی کے ذیل میں جا بجا آپ نے یوں تصریح فرمائی ہے: ”صحابہ، تابعین اور قرن اول کے مسلمانوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں جن احکام کا استنباط کیا ہے، ان سب کا مجموعہ سنت کا مفہوم ثانی ہے“ اور اس لحاظ سے ”صحابہ اور

قرن اول کے مجتہدین کے اجتہادات، تعامل اور اجماع سنت (بمعنی ثانی) کے لازمی اجزا ہیں، تو جب کتاب و سنت کی تعلیمات میں عام ”قانون سازی“ سے متعلق بہت ہی تھوڑا سا حصہ ہے ”تو ان حضرات نے فقہ اسلامی کے تمام ذخیروں کے احکامات و قوانین کس طرح اور کہاں سے استنباط کیئے؟ یقیناً آپ کہیں گے ”شخصی رائے سے“ (جیسا کہ آپ جا بجا تصریح فرما رہے ہیں) تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلامی شریعت کے باقی تمام احکام و قوانین اس کے رسول کے بنائے ہوئے نہیں۔ کیا یہی آپ کا عقیدہ ہے؟ واضح رہے کہ اسلامی تعلیمات اور شرعی اصطلاح میں ”قوانین شرعیہ کے“ معنی ہوتے ہیں ”احکام شرعیہ“۔

ڈاکٹر صاحب! ہمارا اور تمام مسلمانوں کا تو عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ اور ائمہ مجتہدین اسلامی شریعت کے ”قانون ساز“ نہ تھے بلکہ ”قانون الہی“ کی تعبیر و تشریح اور اس کو واقعات و جزئیات پر منطبق کرنے والے ”قانون دان“ تھے بالکل اسی طرح جیسے موجودہ زمانہ کی عدالتہائے عالیہ کے جج ”قانون ساز“ نہیں ہوتے بلکہ قانون کو عملی جامہ پہنانے والے اور واقعات و جزئیات پر منطبق کرنے والے ”قانون دان“ اور ”ماہرین قانون“ ہوتے ہیں۔ ”کتاب و سنت“ مکمل اسلامی قانون ہے اور صحابہ و ائمہ مجتہدین اس کے نافذ کرنے اور عملی صورت پہنانے والے ماہرین قانون الہی ہیں۔ واضح رہے کہ اجماع اور قیاس کی حجیت بھی کتاب و سنت پر ہی مبنی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ ”فان تنازعتم فی شئ عرفدوہ الی اللہ ورسولہ“ اس پر شاہد ہے۔

بہر صورت آپ اپنے مذکورہ بالا قول کی کوئی ایسی وضاحت فرمائیں جو آپ کی تصریحات کے خلاف نہ ہو، اور اسی کے ساتھ اسلامی شریعت کے چند ایسے قوانین کا نام لیں جن پر ”کتاب و سنت“ مشتمل نہیں ہیں تاکہ دعویٰ مع ثبوت ہو جائے۔

سوال نمبر (۶) قسط اول ص ۱۵ پر آپ فرماتے ہیں:

”در حقیقت جو شہادت موجود ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت

اساسی طور سے بنی نوع انسانی کے اخلاقی مصلح تھے“۔

کیا یہ وہی بات نہیں ہے جو یورپ کا ہر دشمن اسلام اور منکر نبوت مستشرق کہتا ہے؟

ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہبط وحی الہی ہونا اور آپ ص کی سنت یعنی ”اقوال و اعمال“ کی جامعیت آپ مذکورہ ذیل الفاظ میں خود تسلیم فرما چکے ہیں۔

آپ ص کے اعمال و افعال ہی ان تمام تحریکات کا پس منظر تھے جس میں ہالیسی، احکام اور فیصلے وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔۔۔ بھلا ایک اخلاقی مصلح کو ہالیسیوں، احکام اور فیصلوں سے کیا تعلق؟

در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں نے ”اخلاقی مصلح“ کہا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کی حاکمیت اور مسلمانوں کے نفوس و اموال پر خدا کے بعد رسول کے اقتدار اعلیٰ، تنفیذ حکم کی قوت اور تشریح احکام کے منصب کا انکار کرنا چاہتے ہیں، ”اخلاقی مصلح“ ہرگز قوت حاکمہ اور تشریح احکام کے منصب کا مالک نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس قرآن کی جو شہادت ہمارے سامنے ہے وہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف اخلاقی مصلح بلکہ اللہ تعالیٰ کے بعد ”مطاع مطاق“ اور مسلمانوں کے نفوس و اموال پر ولایت تامہ اور تنفیذ احکام کی اس اعلیٰ قوت کے مالک تھے کہ آپ ص کے فیصلوں سے انحراف ایمان و اسلام سے انحراف اور ارتداد کے مترادف ہے۔ ستنے قرآن کی شہادتیں۔

(۱) و ماکان لمؤمن ولا مومنه اذا قضی اللہ ورسوله امر ان یکون لہم الخیرہ من امرہم۔

(۲) فلا وربک لا یؤمنون حتی ینکحوک فیما شجر بینہم ثم لا یجدون فی الفسہم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیمًا۔

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کی جانب سے ”حکم بین الناس“ اور قرآن یا اپنے اجتہاد کے مطابق فصل خصومات پر مامور تھے۔۔۔ ستنے

(۱) فا حکم بینہم بما انزل اللہ -

(۲) فا حکم بین الناس بما اراک اللہ -

اس لئے ضروری ہے کہ آپ وہ ”موجود شہادت“ پیش فرمائیں جو موجود ہے، اور اس کے بعد مذکورہ بالا عبارت کا ایسا مطلب بیان فرمائیں کہ آپ کے اور مستشرقین یورپ کے نظریات کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔

سوال نمبر (۷) آپ قسط اول ص ۲۷ پر امام شافعی علیہ الرحمہ کو ”حدیث کی عام تحریک کا علمبردار“ قرار دے کر ان کی مساعی کو ذیل کے الفاظ میں سراہتے ہیں:-

امام شافعی کی فیصلہ کن کامیاب مداخلت نے ”اسلامی فکر کے دھارے کی آزاد روانی“ کو روک دیا جس کے نتیجہ میں ”اسلامی قانون فقہ کے لئے بنیادی اصول“ مرتب ہو گئے جنہیں بعد کی صدیوں میں پرکھا گیا۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارے موضوع بحث کے سلسلہ میں اجماع کے متعلق تو ان کے دلائل ”سچ سچ“ لہایت ہی ”مہتم بالشان“ ہیں۔

مگر ص ۳۰ پر آپ ان کو اسلامی قانون میں جمود پیدا کرنے اور ”فطری

روائی“ کے روک دینے کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

”امام شافعی کی روشن دماغی اور تیز طبیعت نے ایک مشینی نظام تو پیدا کر دیا، جس سے بلاشبہ ہمارے ازمینہ وسطیٰ والے ”معاشرتی و مذہبی“ ڈھالچہ میں استحکام بھی پیدا ہوگا لیکن مستقبل میں اس کی وجہ سے ”جدت فکر اور تخلیق“ سے محروم ہو جانا پڑا۔“

الف: از راہ کرم دو ٹوک الفاظ میں فیصلہ فرمائیے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ

کی کامیاب مساعی قانون شریعت اور فقہ اسلامی کے لئے مفید تھیں یا مضر؟

اور امام شافعی علیہ الرحمہ قابل تحسین و ستائش ہیں یا سزاوار توبیخ

و سرزنش۔

ب: آپ بظاہر مستقبل میں ”جدت فکر“ اور ”تخلیق انکار نو“ سے

محروم ہو جانے کو عظیم محرومی سمجھتے ہیں اور اس کے دوبارہ احیا اور نشاۃ

ثالیہ کے حامی بلکہ علم بردار معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ازراہ کرم بتلائیں کہ کیا ”جدت فکر“ اور ”تخلیق فکر نو“ بالفاظ دیگر فکر اسلامی کی آزاد روانی کا نتیجہ وہی عدم استحکام اور فقہ اسلامی کی بنیادوں میں تزلزل و انتشار اور اسی فوضویت (انارکی) کی صورت میں ظاہر نہ ہوگا۔ جس کا اظہار آپ خود فرماچکے ہیں کہ ”ہر ملک کی سنت الگ تھی۔ اہل مدینہ کی الگ اور اہل شام کی الگ اور اہل عراق کی سنت الگ تھی اور اہل حجاز کی الگ، نہ صرف یہ بلکہ ایک ملک میں بھی سنت میں اختلاف تھا۔“ اسی کا نام دینی اور مذہبی ”فوضویت“ ہے نیز کیا آپ ”سنت جاریہ“ اور ”زندہ سنت“ کو جنم دیکر اسلام اور فقہ اسلامی کو اسی فوضویت کا نشانہ بتانا چاہتے ہیں۔

ج: بھر صورت نہ صرف ان دو عبارتوں میں تضاد ہے بلکہ یہ دونوں نظریے بالکل متضاد ہیں۔ استحکام اور فقہ اسلامی کی بنیادوں میں استواری پیدا کرنے کے لئے ”فکر کی آزاد روانی“ اور ”جدت فکر و تخلیق افکار نو“ سے دست بردار ہونا ضروری ہے، ورنہ استحکام اور استواری سے ہاتھ دھولینا اور فوضویت کو دعوت دینا لازمی ہے۔

ازراہ کرم اس تضاد کو تسلی بخش طریق پر رفع کیجئے۔

سوال نمبر (۸) جناب والا قسط دوم ص ۱۳ کے مذکورہ ذیل اقتباس میں:

”اس حقیقت میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ابتداء اسلام سے موجود تھی۔ دراصل یہ ایک بالکل فطری امر تھا کہ رسول اللہ صلعم کے حین حیات مسلمان آپ کے اعمال و اقوال کی نسبت خصوصاً اگر وہ امت کی فلاح و بہبود یا عام معاملات دنیا و دین سے متعلق ہوں، باہم گفتگو کریں۔ عرب جنہوں نے اپنے شعرا کے اشعار اور نظموں کو، اپنے کاہنوں کے اقوال کو، اپنے حکموں اور قبائلی سرداروں کے فیصلوں کو حفظ کر کے انہیں اخلاف تک پہنچایا۔ اس عسری کے اقوال و اعمال سے کس طرح غفلت برت سکتے تھے، جسے وہ خدا کا رسول اور مہبط وحی الہی تسلیم کرتے تھے۔ اس فطری امر کا انکار نہ صرف ”احمقانہ“ فعل ہے بلکہ درحقیقت اپنی ساری تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ ان کے لئے نئی سنت

یعنی رسول اللہ کی سنت اتنی اہمیت رکھتی تھی (اور اس کی اہمیت پر خود قرآن مبین اتنا زور دیا گیا ہے) کہ اسے نظر انداز کر دینا یا اس سے تجاہل برتنا مسلمانوں کے لئے ایک امر ناممکن تھا۔ جیسا کہ ہم نے اس مقالہ کے حصہ اول میں بیان کیا ہے۔ یہ حقیقت اسلام کی مذہبی تاریخ میں روز روشن کی طرح واضح ہے اس لئے اس سے انکار کرنے کی کوشش کسی بھی پہلو سے کی جائے، خواہ مذہبی ہو خواہ تاریخی، ایک طفلانہ اور مضحکہ خیز کوشش ہے۔ امت مسلمہ کی سنت رسول اللہ کی سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ ہے۔

الف: عرب کی اس فوق العادہ قوت حفظ و روایت اور ماحول کی جغرافیائی خصوصیت کے اعتبار سے ان کی مخصوص و منفرد فطرت کہ وہ اہم امور کو سینوں میں محفوظ کرتے تھے نہ کہ سفینوں میں۔ لکھنا نہ وہ جانتے تھے اور نہ اس پر ان کو اعتماد تھا۔ اعتراف کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا کہ وہ تمام ذخیرہ سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، احکام، فیصلے، غزوات و محاربات کے احکام اور رسول اللہ کے شخصی احوال سیرت و اخلاق جو وحی الہی کا پرتو تھے۔ آپ کے صحابہ نے جو خالص عرب تھے، یقیناً بجنسہ اپنے سینوں میں محفوظ کیا ہوگا۔ اپنی فطرت کے تقاضے سے بھی اور قرآن کے زور دینے کی بنا پر بھی۔ از راہ کرم بتلائیم کہ وہ ذخیرہ سنت کہاں ہے اور کس شکل میں؟ اس لئے کہ ”ذخیرہ احادیث کی تاریخی صحت تو آپ کے نزدیک مشکوک و مشتبہ ہے،“ بلکہ آپ صراحتاً بیشتر احادیث کو زمانہ ما بعد یعنی عروج ”تحریرک حدیث“ کی پیداوار بتلاتے ہیں۔

دوسری قسط ص ۱۵ پر آپ کا ارشاد ہے ”جیسے جیسے وقت گذرتا گیا، معلوم ایسا ہوتا ہے گویا حدیث کی تحریر نے داخلی تقاضے سے مجبور ہو کر سلسلہ روایت کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے اس کے فطری مرکز و محور یعنی ذات رسالت مآب تک پہنچا دیا۔“

اسی صفحہ پر چند سطر بعد آپ لکھتے ہیں:

لیکن اوائل عہد اسلام کے مسلمانوں کی اکثر فقہی آراء اور ان کے مذہبی عقائد جو زمانہ مابعد کی پیداوار تھے رسول اللہ کی جانب منسوب کئے جانے لگے۔“

قسط پنجم پر آپ فرماتے ہیں :

” درحقیقت بیشتر احادیث مجموعہ ہیں ان کہاوتوں جیسے مقولوں کا جن کی تراش خراش قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائی مگر انہیں ذات رسالت مآب کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ یہ نسبت بے بنیاد نہ تھی۔ اگرچہ ان مقولوں میں کہاوتوں کا اسلوب پایا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ یہ نسبت تاریخی اعتبار سے مشکوک ہے۔“

بہر صورت سنت رسول کا اتنا وافر ذخیرہ جو نہ صرف آپ ص کے اقوال و افعال بلکہ تمام شخصی احوال اور پوری زندگی کی تفصیلات پر حاوی ہے، مذکورہ بالا اقتباس کی بنا پر صحابہ کرام نے ضرور محفوظ کیا ہے اور احادیث و کتب احادیث آپ کی مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق زمانہ مابعد کی پیداوار ہیں تو وہ ذخیرہ کہاں ہے؟ نیز مذکور بالا اعتراف کے بعد آپ کا سابقہ بیان کہ ”مجموعہ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ بہت زیادہ نہ تھا“ کیونکہ باور کیا جاسکتا ہے؟

علاوہ ازیں آپ بیشتر احادیث کو تاریخی وجوہ کی بنا پر مسترد کر رہے ہیں۔ کیا آپ کی یہ کوشش بقول آپ کے ”مضحکہ انگیز“ اور بقول ہمارے ”ماتم خیز و تاسف انگیز“ نہیں ہے؟ ازراہ کرم شائع شدہ مقالہ کو سامنے رکھ کر ان سوالات کا جواب دیجئے اور اشکالات کو حل کیجئے۔ غایت کرم ہوگا۔

ب: آپ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی تاکید حفظ حدیث کے سلسلہ میں پیش کردہ مذکورہ ذیل پہلی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جو صحیحین کی روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لضر اللہ امرًا سمع منی مقالة فحفظها و دعاها و امرها کما سمعها فرب حامل فقه غیر فقیہ و رب حامل فقه الی من ہو افقه منه۔

کو آپ تاریخی حیثیت سے مشکوک قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں :

” پہلی حدیث کو لیجئے اس بدیہی امر کے علاوہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابیوں کے متعلق یہ فرمانا جیسا کہ حدیث کے پہلے حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بعد میں آنے والوں کی نسبت ثقہ کی صفت سے محروم تھے ان کی تذلیل و اہانت کے مترادف ہے۔ یہ حدیث صرف اسی زمانہ میں ظہور پذیر ہوسکتی ہے جبکہ مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کی فقہی ذہانت پیدا ہوئی اور عالم امام میں از مصر تا عراق فقہی آراء کے بہترین مذاہب نشوونما پانے شروع ہوئے۔

از راہ کرم اول تو یہ بتلائیں کہ مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں آپ کا ”تاریخی وجوہ“ کی بنا پر اس حدیث صحیحین کو مسترد فرمانا آپ ہی بتلائیں یہ کس قسم کی کوشش ہے ”طفلانہ“، یا ”پیرانہ“، ”حکیمانہ“، یا ”سفیمانہ“؟ بعد ازاں یہ بتلائیں کہ آپ کا یہ حدیث اس زمانہ میں پیدا ہوسکتی ہے الخ۔۔۔ یہ کوئی تاریخی حقیقت ہے؟ یا ایک ”خیالی مفروضہ“ آپ ثبوت دیجئے کہ فلاں تاریخی واقعہ یا تاریخی حقیقت اس حدیث کی تردید کرتی ہے نیز کیا آپ کے خیال میں اسان ثبوت سے بلا واسطہ احکام فقہ اور علل و اغراض تشریح کی تعلیم حاصل کرنے والے حاملین شریعت (صحابہ) سے بڑھ کر فقہی ذہانت کا مالک کوئی بھی عالم و فقیہ زمانہ ما بعد سنن میں پیدا ہوا ہے؟ آپ تاریخی حیثیت سے اس کا ثبوت دیجئے اور ان کا نام لیجئے۔ کیا یہی عقیدہ ہے آپ کا ان صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ کے متعلق جن کے بارے میں قرآن کی شہادت یہ ہے۔

(۱) وَالَّذِينَ مَعَهُ اشْدَاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجِدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ فَذَلِكِ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمِثْلَهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ، الْآيَةُ -

(۲) لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، الْآيَةُ

(۳) أَنْ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ، يَدُلُّهُ فَوْقَ إِيدِيهِمْ

اس حدیث صحیح کے مسترد کرنے کی ”داخلی شہادت“ آپ کے خیال میں یہ ہے کہ اس حدیث سے صحابہ کرام کی توہین و تذلیل ہوتی ہے۔ پانلعبج

ثم العجب

ع بسوخت عقل تو حیرت کہ ابن چہ بوالعجبی است -

محترماً! کیا کوئی بھی عقلِ ملیہ رکھنے والا یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ فقہی ذہانت کے اعتبار سے یکساں اور برابر تھے۔ دران حالیکہ ان میں ایسے صحابی بھی ہیں جو پورے عہد رسالت میں صرف ایک دو مرتبہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور صرف چند روز رہے ہیں اور ایسے صحابی بھی ہیں جو مسجد نبوی کے صفہ میں ہی پڑے رہتے تھے اور شب و روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفر و حضر میں موجود رہتے اور منبعِ علوم و معادنِ الہیہ سے میراب ہوتے تھے اور ایسے صحابی بھی ہیں جن کی فقہی فہم و فراست کی بناء پر آپ ص نے ان کو صف اول میں اپنے قریب کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی تھی۔ (لیلیٰ منکم اولوالا حلام والنہی) اور بھی ایسے صحابہ ہیں جن سے علم اور تفقہ فی الدین حاصل کرنے کی اور صحابہ کو ہدایت فرمائی تھی بلکہ دین کے ہر شعبہ میں حاذقین اور ماہرین کی آپ نے خود تشخیص و تعیین فرمائی تھی اور صحابہ میں ان کی علمی و فقہی برتری مسلم تھی اور خلفاء اربعہ کی باقی تمام صحابہ پر عظمت و فضیلت اور برتری تو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی مجمع علیہ اور مسلم تھی ایسی صورت میں رب حاملِ فقہ الی من ہو افقہ منہ کے حکیمانہ فقرہ کو صحابہ کی توہین و تذلیل کے مرادف سمجھنا بجز اس کے اور کیا کہوں) سخن شناس نہ ای دلبرا خطا اینجا است -

لائق احترام ڈاکٹر صاحب! کیا یہی وہ ”تاریخی معیار“ ہے جس پر تیرہ سو سال بعد آپ امت کو از سر نو ذخیرہ احادیث کی جرح و تعدیل کی دعوت دے رہے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کو حفظ کرنا اور آپ کے لفظوں میں اس نئی سنت ”سنت رسول اللہ“ کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنا عرب کا فطری تقاضہ تھا، اسی طرح رسول اللہ کا دین چونکہ تمام اقوام عالم کے لئے ہے اور آخری دین الہی ہے، اس لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ” کتاب اللہ “ کے ساتھ ہی ساتھ حفاظت سنت و سیرۃ رسول اور حفظ و روایت احادیث کی ترغیب دلائی اور مصلحت سمجھانے کے لئے نصر اللہ امرأ سمع مقالتي فحفظها و دعاها و امراها كما سمعها قرب حامل فقه الی من هو ا فقه منه، فرمایا جیسا کہ صحیحین ہی کی دوسری حدیث و بیئغ الشاهد الغائب میں ” حاضرین “ کو ” غائبین “ تک پہنچالئے یعنی ” روایت حدیث “ پر مامور فرمایا ہے۔ یہ حکم (آرڈر) ہے اس لئے اس میں کسی فائدہ اور مصلحت کا ذکر نہیں فرمایا، وہ ترغیب ہے، اس لئے بشارت و خوشخبری کے ساتھ فائدہ اور مصلحت بھی سمجھادی۔ یہ وہ ” حفاظت سنت و احادیث کا نظام “ ہے جس کے تحت خدا کے رسول نے قیامت تک کے لئے تشریح احکام کے دوسرے ” ماخذ “ یعنی سنت کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور چونکہ پیغمبرانہ بصیرت کے تحت یہ انتظام فرمایا تھا، اس لئے بحمد اللہ ” سنت رسول “ آج تک محفوظ ہے اور رہے گی، انشاء اللہ۔

بہر صورت آپ کا مذکورہ بالا اقتباس آپ کی اس تمام تحقیق (ریسرچ) کے قطعاً منافی ہے، جس کے تحت آپ نے روایت حدیث کے سلسلہ کو ایک ” تحریک “ قرار دے کر ” صحیحین کی قوی سے قوی تر سند والی احادیث “ کو بھی مسترد فرمایا ہے۔ اڑ راہ کرم اس کا جواب دیجئے۔

سوال نمبر (۹) ” تحریک حدیث “ کی پوری تاریخ بیان کرنے اور احادیث صحیح پر ریسرچ (عملی جراحی) کرنے میں تو آپ مصروف ہیں مگر ” سنت رسول “ کی طرح ” حدیث “ یا ” حدیث رسول “ کی اصطلاحی تعریف کہیں نہیں فرماتے۔ اڑ راہ کرم ” حدیث “ کی جامع و مانع اصطلاحی تعریف بھی بیان فرمائیے۔

سوال نمبر (۱۰) آپ قسط سوم ص ۱۷ پر مندرجہ ذیل پیرا گراف میں پوری قوت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئیوں کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ از بس ضروری اور عظمت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

” ہم اس پر ایک مرتبہ پھر زور دیں گے کہ ہم رسول اللہ کی آنے والے واقعات کے بارے میں پیشنگوئی کی قدرت کے منکر نہیں۔ یہ انکار کیسے ممکن

ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخی عوامل کے ”عمل“ اور ”رد عمل“ کے بارے میں پیغمبرانہ بصیرت حاصل تھی بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ کی عظمت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ تاریخ میں جو مختلف اور متضاد ”قوتیں“ باہم برسر پیکار تھیں ان میں وہ عمیق بصیرت رکھتے تھے اور اس کو انہوں نے منزل من اللہ اخلاقی (صحیح دینی) نظام کو ترقی دینے میں استعمال کیا۔“

اور ص ۱۶ پر ذیل کے الفاظ میں آپ وہ معیار بتلاتے ہیں جس پر پوری اترنے والی پیشگوئیوں کو آپ صحیح تسلیم کرتے ہیں۔
 ”یاد رہے ہم تمام پیشگوئیوں کو رد نہیں کرتے بلکہ صرف ان کو مسترد کرتے ہیں جن میں بڑی حد تک تعین پایا جاتا ہے۔“

مگر اس ”عقیدہ“ اور ”عقیدت“ کے باوجود آپ امام شافعی علیہ الرحمہ کی جمعیت حدیث کے لئے پیش کردہ حدیث ذیل کو جو یقیناً آنے والے زمانہ کے متعلق اہم پیشگوئی ہے، بے محابا مسترد کر دیتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکاً علی اریکتہ یتاہ امر من امری مما امرت اونہیت عنہ فیقول ماندری! ما وجدناہ فی کتاب اللہ ابتغاء۔

یہ حدیث ہر حیثیت سے پیغمبرانہ بصیرت پر مبنی پیشگوئی ہے اور آپ کے بیان کردہ معیار پر بالکل پوری ہے۔ نہ اس میں کوئی زمانی تعین ہے نہ مکانی نہ کسی مخصوص دن اور تاریخ کا اس میں تذکرہ ہے نہ کسی خاص جگہ یا فرد و جماعت کا نام ہے۔ اور قرن اول سے اس وقت تک ہر دور اور زمانہ میں متکرین حدیث کے وجود نے صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کی تصدیق بھی کر دی۔

اور اس سے بھی زیادہ ”مضحکہ خیز“ ”ما تم انگیز“ ہے وہ ”داخلی شہادت“ جس کی بنا پر آپ اس حدیث کو مسترد فرماتے ہیں۔

”اسی طرح دوسری حدیث بھی تحقیق کے معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکہ وہ اس مفروضہ پر قائم ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی عہد رسالت میں

موجود تھے جن کے نزدیک صرف قرآن کو مان لینا کافی تھا اور سنت کا ملا
مسترد کر دینے کے لائق تھی -

کون عقل کا دشمن یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق صحابہ
ہیں اور اس کلام کی صحت کے لئے صحابہ میں منکرین سنت کا وجود ضروری
ہے - عربیت اور کلام اللہ و کلام الرسول سے ادنیٰ مس (علاقہ) رکھنے والا
بھی جانتا ہے کہ یہ آنے والے زمانہ سے متعلق پیشگوئی ہے اور اس کے وقوع
کے شدت و ثوق کو ظاہر کرنے کے لئے لا الفین کا لفظ آپ نے استعمال کیا ہے -
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”تاریخی عوامل کے عمل اور رد و عمل“ کی عمیق
بصیرت کی بنا پر اپنی امت میں - یہود کی طرح - قرآن و سنت رسول اللہ کا
انکار کرنے والے ایک گروہ کا وجود ناگزیر محسوس فرما کر امت کو اس
خطرناک گروہ (منکرین حدیث) سے خبردار فرماتے ہیں اور اساس تشریح
اسلامی یعنی کتاب سنت کی حفاظت پر اسی طرح آمادہ فرما رہے ہیں جیسے
قرآن حکیم نے آیت کریمہ مندرجہ ذیل میں یہود کی اس خیانت کا تذکرہ
فرما کر قرآن پر ایمان لانے والوں کو متنبہ فرمایا ہے -

اس قسم کی صدہا نظائر کتب و سنت سے پیش کی جاسکتی ہیں -

آپ اپنے مذکورہ بالا اثباسب و اعتراف کے تحت ہرگز اس حدیث کو جو
یقیناً آنے والے زمانہ کے متعلق ایک پیشگوئی ہے، مسترد نہیں کر سکتے -

(باقی آئندہ شمارے میں)